20 لاکھ کا چکر

سارہ عمر

احمد کی نظر اخبار پر پڑی تو وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے صحن میں چار پائی ڈال کر سویا تھا کہ صحن میں درخت کی چھاؤں تلے لیٹے اسے جلد ہی نیند نے آن گھیرا- اسے سوئے تقریبا آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ ہوا کے دوش پر کوئی اخبار کا ورق اڑتے اڑتے اس کے منہ پر آن گرا۔

احمد نے سستی سے آنکھیں نیم وا کیں تھیں اور اخبار پہ نظر پڑتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا- تین ماہ پہلے اس کی کمیٹی نکلی تھی اور اس نے پہلی دفعہ قسمت آزماتے ہوئے بیس ہزار کے دو پرائز بانڈ خرید لیے تھے- پرائز بانڈ کی انعامی رقم بیس لاکھ روپے تھی جبکہ اس کا تو کبھی بیس روپے کا بھی انعام نہیں نکلا تھا لیکن اس نے قسمت آزمانے کے لئے اور پیسے بچانے کے لئے پرائز بونڈ خرید لئے تھے-

آج اخبار پر نظر پڑی تو وہ چونک پڑا- اس پر پرائز بانڈ کے انعامی نمبروں کی فہرست درج تھی- احمد کو فوراً دو تین ماہ پرانی بات یاد آ گئی- اس کی الماری میں وہ پرائز بانڈ اب بھی موجود تھے، اس خیال نے ایک دم اس کے اندر توانائی بھر دی تھی-

وہ دوڑتا ہوا اندر گیا اور الماری سے پرائز بانڈ نکالے اس نے ایک ایک کر کے سب نمبر فہرست سے ملا کر دیکھے-

بیس ہزار، پچاس ہزار سے ایک لاکھ دو لاکھ کسی میں بھی تو اس کے پرائز بانڈ کا نمبر نہیں تھا- اس نے تنگ آ کر پرائز بانڈ اور اخبار کا ٹوٹا سامنے رکھا لیکن اسے ایک دم لگا

کے کچھ غلط ہے شاید اس نے کچھ غلط دیکھا تھا-

اخبار کا ورق اور پرائز بانڈ اس کے سامنے پڑے تھے، اس نے پیچھے سے ایک ایک نمبر دیکھ کر ملانا شروع کیا- ہر ہر نمبر کے ملتے ساتھ ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں تھیں اور آخر آخری نمبر بھی بالکل ایک جیسا ہونے پر اس کے منہ سے باقاعدہ چیخیں نکلی تھیں کیونکہ یہ ایک ناقابل یقین بات تھی کہ اس کا بیس لاکھ کا پرائز بانڈ نکل آیا تھا۔ اس نے اخبار کا ورق ہاتھ میں لیا اور پچیس بار دوبارہ سے اس نمبر کو ملایا کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے غلطی ہوئی ہو مگر یہ غلطی نہیں معجزہ تھا-

اب وہ سورج کی روشنی میں آن بیٹھا اور اس نے دو تین دفعہ اپنا منہ بھی دھویا تھا کہ ہوسکتا ہے آنکھیں دھندلا نے کی وجہ سے یا دماغ کے کام نہ کرنے کی وجہ سے اس کو خواب دکھائی دے رہا ہو- لیکن نہیں یہ حقیقت تھی اس کا بیس لاکھ کا پرائز بانڈ نکل آیا تھا کیونکہ پرائز بانڈ پر لکھا نمبر وہی تھا جو اخبار پہ تھا۔

احمد نے اخبار پر موجود رابطہ نمبر سے دیئے گئے رابطہ نمبر پر فون ملایا فون اٹھاتے ہی اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔ دوسری جانب موجود شخص نے تقریبا اونگھتے ہوئے اس کا مدعا سنا تھا لیکن بیس لاکھ کا ذکر سنتے ہی وہ چونک کر سیدھا ہوا اور لڑکھڑاتے ہوئے تین چار دفعہ پوچھا کہ کیا آپ بیس لاکھ ہی کہہ رہے ہیں؟

جی بیس لاکھ ہی کہہ رہا ہوں

احمد نے ہر بار ایک ہی جواب دیا

کیا میں ابھی آپ کے پاس آسکتا ہوں؟

احمد کے سوال پہ دوسرے بندے نے اپنا مکمل پتہ بتایا تھا

بیس نمبر چورنگی سے لائن نمبر بیس میں بلڈنگ نمبر بیس کے بیسویں فلور پر کمرہ نمبر بیس پہ تشریف لے آئیں۔ بس وہیں ہم سے ملاقات ہوجائے گی۔

احمد بیس کے اس چکر کو سن کر چکرا سا گیا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی چار سو بیسی نہ کر رہا ہو۔ بہرحال اس نے اخبار جس پہ نمبر درج تھا سنبھالا اور ساتھ پرائز بانڈ، اپنا شناختی کارڈ رکھا اور پرائز بانڈ کی فوٹو کاپی کروا کر منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔ تقریبا بیس رکشوں سے تو اس نے پتہ کیا ہی تھا لیکن کوئی بھی اس بیس نمبری میں اپنا حصہ نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ بالآخر ایک رکشے والا راضی ہوا تو وہ اسے لے کر بیس نمبر چورنگی پر پہنچا جہاں سے لائن نمبر بیس کو ڈھونڈتے بیس منٹ لگ گئے۔ آگے بلڈنگ نمبر بیس موجود تھی جس کے بیسویں فلور پر اس کو جانا تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس کی لفٹ بھی خراب تھی-

اب تو احمد کو بری طرح پسینہ آیا۔ اس نے بڑی مشکلوں سے یہ پانچ منزلیں طے کی اور دل چاہا کہ یہیں پر بیٹھ کر خون کے آنسو رونا شروع کر دے۔ چاروناچار وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا چڑھتا بیسویں فلور تک جا پہنچا۔ پسینے سے شرابور، کانپتی ٹانگوں اور چکراتے سر کے ساتھ جب وہ بیس نمبر کمرے کے سامنے پہنچا تو چکرا کر وہیں دھڑام سے گر پڑا کیونکہ اس کے اوپر تالا لگا ہوا تھا-

احمد کو بیس منٹ بعد ہوش آیا تو اس نے آنکھیں ملتے ہوئے اس دروازے کی طرف نظر اٹھائی جس پر بڑا بڑا

بیس لکھا ہوا تھا۔اس نے دوبارہ سے وہی نمبر ملایا لیکن نمبر بند جا رہا تھا۔

احمد نے سوچ لیا کہ وہ بھی 20 لاکھ لے کے ہی جائے گا۔سو وہ وہاں بیٹھے انتظار کرتا رہا لیکن کوئی ادھر نہ آیا حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ کمرے تقریباً مختلف دفاتر کے تھے اور وہاں اس وقت معمولی سے چہل پہل تھی لیکن کسی نے بھی اس سے رک کر یہ دریافت نہ کیا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ شاید وہ لوگ اس سب کے عادی تھے۔

وہ شام تک وہیں بیٹھا رہا اور بالآخر اسی دروازے کے آگے سو گیا اس کی آنکھ لوگوں کی آوازوں سے کھلی تھی جو دفتروں میں آنا شروع ہو گئے تھے-کوئی صفائی کر رہا تھا تو کوئی دروازے کھول رہا تھا۔احمد نے نظر اٹھا کے دیکھا کہ کوئی اس سے حال احوال پوچھ لے مگر سب ہی اپنے کاموں میں مگن تھے تبھی وہ بھی ڈھیٹ بنا وہیں پڑا رہا جب تک کہ اس دروازے کو کھولنے والا وہاں پہنچ گیا۔

ایک بڑے بڑے بالوں اور موٹی سی عینک والا آدمی اس دروازے کے آگے آیا اور تالے میں چابی ڈال کر گھمائی۔اسی وقت احمد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے سلام کیا اور اپنا آنے کا مقصد بیان کیا آدمی نے اس کو اندر آنے کا کہا اور ایک مٹی سے اٹی کرسی پر جلدی جلدی کپڑا مار کر اس کو بٹھایا۔اس نے احمد کے ہاتھ سے اس کا پرائز بانڈ اور اخبار کا ٹکڑا لیا۔

اب اس نے جلدی جلدی میز پر پڑی فائلوں کے ڈھیر سے ایک لسٹ نکالی اور آپس میں ملائی۔وہ واقعی وہی نمبر تھا-اسے بھی کچھ حیرت ہوئی تھی-اس نے ایک فارم احمد کی جانب بڑھایا اور کہا کہ وہ اس کو فل کرے۔اس فارم میں تفصیلات کے اندراج کے بعد اس کے ساتھ پرائز بانڈ کی کاپی اور شناختی کارڈ کی کاپی لگے گی اور جمع ہو گئی اور اس کا کیس آگے بھجوا دیا جائے گا۔

احمد کو تو خاک سمجھ نہ آیا لیکن اس نے فارم لے کر تفصیلات کا اندراج کیا اور ساتھ ہی اپنے شناختی کارڈ کی کاپی کے ساتھ پرائز بانڈ کی کاپی جو کہ وہ خوش قسمتی سے ساتھ لایا تھا اس بندے کے حوالے کی۔

اس نے کہا افسر کے آنے کا انتظار کریں اور اس کے بعد باقی معاملات دیکھے جائیں گے چھوٹے موٹے پرائز بانڈ کے انعامات تو جلد ہی مل جاتے ہیں لیکن بڑے انعامات حاصل کرنے کے لئے کھپائی بھی بڑی ہی کرنی پڑتی ہے۔

احمد نے نہایت بے چینی سے آفیسر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔آفیسر نے آتے ہی نا صرف اس کا پرائز بونڈ، اصلی شناختی کارڈ، اس کی کاپی بلکہ فارم کو دوبارہ سے چیک کیا اور فائل بنا کر کے کیس آگے بھجوا دیا-احمد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کے پیسے دینے کے لئے اتنا لمبا چکر کیوں؟

پھر اسے بتایا گیا کہ اس کام میں 20 دن لگیں گے۔ کیونکہ بڑی انعامی رقم کا کام مکمل ہونے میں پندرہ سے بیس دن لگتے ہیں۔اسے تو لگا تھا فوراً ہی رقم مل جائے گی لیکن ابھی تو کافی بیسیاں رہتی تھیں-احمد نے یہ 20 دن گن گن کر گزارے تھے۔

کچھ دن بعد اسے فون کر کے آفس میں بلایا گیا تو وہ خوشی خوشی صبح صبح تیار ہو کر وہاں جا پہنچا خوشی سے اس کا دل

بلیوں اچھل رہا تھا کہ اس کو بیس لاکھ روپے کا چیک ملنے والا تھا۔اس کو نہایت عزت و احترام سے آفس میں بٹھایا گیا اور چائے پینے کے بعد جب اس نے 20 لاکھ کا چیک طلب کیا تو آفیسر صاحب نے عینک میں لگاتے ہوئے دوبارہ سے فائل دیکھی اور فرمانے لگے۔

جناب ایسا ہے کہ پہلے آپ آفس میں بیس ہزار روپے ٹیکس جو کہ انعامی رقم پر لگتا ہے جمع کرائیں اس کے بعد ہی رقم آپ کو ملے گی کیونکہ یہ بھی ایک اصول ہے جو کہ آپ کو پورا کرنا ہوگا۔

احمد کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔اسے شک ہوا کہ کہیں یہ بھی ایزی لوڈ والا چکر نہ نکل آئے۔لیکن پھر بھی وہ گھر کی جانب چل پڑا۔ابھی بیس ہزار کی رقم بھی تو کہیں نہ کہیں سے کر کے دینی تھی کیونکہ انعامی رقم بھی تو 20 لاکھ روپے تھی سو وہ واپس گھر آیا اور مانگ تانگ کر بیس ہزار روپیہ پورا کیا۔یہ ایک نئی مصیبت تھی کیونکہ اب تو اس کے سارے خاندان والوں اور محلے والوں کو بھی پتہ لگ گیا تھا کہ اس کا 20 لاکھ کا انعام نکلا ہے۔

بیس ہزار آفس میں جمع کرانے کے بعد بھی نجانے کتنی طرح کے سرکاری لوکل ٹیکس کا کھاتہ کلیئر کر کے اس کے ہاتھ رقم آئی تھی- چیک اس نے بینک میں جمع کرایا کیش آنے تک ساٹھ ستر ہزار روپے تو روز روز کی مٹھائیوں اور دعوتوں میں لگ گئے تھے۔

ہر کوئی سلام کرتے ساتھ کہتا یہی کہتا اب تو لکھ پتی بن گئے ہو منہ تو میٹھا کراؤ۔احمد کا دل چاہتا تھا یہ پرائز بانڈ کبھی نہ نکلتا اور وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ خوش رہتا لیکن بیس لاکھ روپے نے اسکی خوشی، اطمینان اور سکون کی نیند اس سے ہمیشہ کے لئے چھین لی تھی- ہر وقت بس ایک ہی دھڑکا لگا رہتا نہ جانے کس وقت کوئی کنپٹی پر بندوق رکھ کے اس کے سارے پیسے بینک سے نکل لے۔

وہ اس دن کو شدت سے یاد کرتا جب وہ سکون سے درخت کی چھاؤں کے نیچے لیٹا آرام کر رہا تھا اور کوئی بے چینی اور بے اطمینانی اسے میسر نہیں تھی-اب تو جب تک یہ رقم ختم نہ ہوتی تھی تب تک اپنی جان اور مال کا دھڑکا ہی لگا رہنا تھا-اصل حقیقت تو اب آشکار ہوئی تھی کہ اصل خوشی پیسے میں نہیں قلبی اطمینان و سکون میں ہے-